طریقت اور شریعت

Tariqat and Shariat

☆ ڈاکٹر عبدالعلی اچکزئی

ABSTRACT

This paper deals with Shariah and Tariqat. The decrees of Shariah have two kinds. One is related to the body (which is visible), while the other one is about the soul (in visible), Shariah is a combination of visible and un visible decrees. Tariqat is not a separate entity, it is an integral part of Shariah. The people who consider Tariqat as a separate entity, as a matter of fact they are misguided persons. Tariqat is nothing but a subservient to Shariah. For the purification of soul and to make one self abiding by the laws of Shariah, the Sufia have proposed some specific practices and activities for their followers. They asked their followers to strictly adhere to these practices. Not only for the followers but also for the spiritual guides; it is incumbent on them to follow the rules of Shariah whether these are related to body or to the soul. Irrespective of the position of the spiritual guide, he should also abide by the laws of Shariah. His Sufipractices, supernatural events or miracles have no value and no acceptance to the Almighty Allah. Tariqat must be under the rules of Shariah, other wise it will not be acceptable.

اسلام کی تعلیمات کا سرچشمہ کتاب وسنت ہے، جس کی ابتدائی تعلیم مجلس نبویؐ میں دی جاتی تھی اور چونکہ ابتدائی دور تھا، حلقہ بگوشان اسلام اپنے اصل مرکز میں موجود تھے، جن کی تعداد بھی اس وقت اتنی زیادہ نہ تھی جتنی بعد میں ہوگئی، اس لئے نبویؐ درس گاہ میں تمام علوم اسلام یعنی علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ اور علم تصوف کی تعلیم یکجا دی جاتی تھی، کوئی الگ الگ شعبے قائم نہ تھے، البتہ اسی نبویؐ درسگاہ میں ایک اقامتی شعبہ ایسا بھی موجود تھا جس میں محبّان خدا وعاشقان رسول اللہ ﷺ تزکیہ نفس واصلاح باطن کی عملی تعلیم وتربیت کے لئے ہر وقت

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ۔

موجود رہتے تھے اور وہ اصحاب صُفّہ کہلاتے تھے۔

بعد ازاں جب اسلام عالم گیر حیثیت اختیار کر گیا تو اس کی تعلیمات کو علمائے دین نے الگ الگ شعبوں میں منضبط کر دیا، جنہوں نے علم حدیث کی خدمت کی وہ محدّث کہلائے اور جنہوں نے علم تفسیر کا کام سنبھالا وہ مفسر کہلائے۔ جو فقہ کا کام کرنے میں منہمک ہو گئے وہ فقہاء بن گئے اور جنہوں نے تزکیہ نفس و اصلاح کا شعبہ سنبھالا وہ مشائخ صوفیاء مشہور ہوئے، اسی لئے اکابر سلف میں سے کسی نے شریعت کو طریقت سے الگ نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ طریقت کو شریعت کے تابع رکھا۔ ذیل میں قران و حدیث اور اقوال سلف کی روشنی میں تصوف کی حقیقت کو واضح کیا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿فَوَجَدَا عَبْداً مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾(۱)

''سو انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے (یعنی خضر علیہ السلام) کو پایا، جن کو ہم نے اپنی خاص رحمت دی تھی اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے ایک خاص طور کا علم سکھلایا تھا''

آیت میں حضرت خضر علیہ السلام سے متعلق یہ ارشاد ہے، کہ ہم نے ان کو اپنی خاص رحمت دی تھی، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک رحمت سے مراد نبوت و ہدایت ہے۔(۲) اس قول پر خضر علیہ السلام کا نبی ہونا ظاہر ہوتا ہے، جمہور مفسرین کے نزدیک ولایت مراد ہے، اسی بنا پر عام جمہور کا قول حضرت خضرؑ کی نبوت کے خلاف ہے(۳) اور آیت میں جو ارشاد ہے کہ ہم نے ان کو اپنے پاس سے ایک خاص طور کا علم سکھلایا تھا، اس علم سے مراد ''علم لدنی''اور علم کشف ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، کہ حضرت خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا:

إنی علی علم من الله علمنیه لاتعلمه وأنت علی علم من الله علمکه الله لا أعلمه(۱)

''میرے پاس ایک علم ہے جو اللہ نے مجھے دیا ہے وہ آپ کے پاس نہیں اور ایک علم جو اللہ نے آپ کو دیا ہے اُسے میں نہیں جانتا''

مفسرین کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جو علم تھا، وہ علم کشف تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو علم ملا تھا، وہ ظاہر شریعت تھا، جیسا کہ علامہ صاوی لکھتے ہیں۔!

قوله انی علی علم ای وهو علم الكشف وقوله وأنت على علم أى وهو علم ظاهر الشريعة(۵)

مفسرین کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم شریعت کے ساتھ ساتھ علم باطن بھی دیا تھا، لیکن یہ علم اتنا نہیں تھا، جتنا کہ حضرت خضر علیہ السلام کو عطا ہوا تھا، اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم باطن کے ساتھ ساتھ علم شریعت بھی تھا، لیکن یہ علم اتنا نہیں دیا گیا تھا جتنا کہ حضرت موسی علیہ السلام کو ملا ہوا تھا، اور حدیث کے اس جملے کا بھی یہی مطلب ہے، جو ابھی ذکر ہوا، جیسا کہ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

ثم ان الذى أميل اليه ان لموسى عليه السلام علما بعلم الحقيقة المسمى بالعلم الباطن والعلم اللدنى الا ان الخضرؑ اعلم به منه وللخضر عليه السلام سواء كان نبياً اورسولاً علما بعلم الشريعة المسمى با لعلم الظاهر الا ان موسى عليه السلام أعلم به منه فكل منهما أعلم من صاحبه من وجه ، ونعت الخضرعليه السلام فى الاحاديث السابقة بانه أعلم من موسى عليه السلام ليس على معنى أنه أعلم منه من كل وجه، بل على معنى انه اعلم من بعض الوجوه وفى بعض العلوم(۶)

”پھر وہ بات جس کی طرف زیادہ میلان ہوتا ہے، یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام کو بھی علم حقیقی حاصل تھا، جس کو علم باطنی اور علم لدنی کہا جاتا ہے، مگر یہ کہ حضرت خضرؑ اس علم میں ان سے زیادہ عالم تھے، اور خضرؑ کو چاہے وہ نبی ہو یا رسول (یا ولی) اس کے پاس بھی علم شرعی تھا، جسے علم ظاہر کہا جاتا ہے، مگر موسی علیہ السلام ان سے زیادہ عالم تھے، پس ان دونوں میں سے ہر ایک، ایک دوسرے سے ایک وجہ سے زیادہ عالم تھے، احادیث سابقہ میں خضر علیہ السلام کی یہ صفت بیان ہونا کہ وہ زیادہ عالم تھے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ہر وجہ سے ان سے زیادہ عالم تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ان سے بعض وجوہ اور بعض علوم میں زیادہ عالم تھے“

بہر حال آیت مذکورہ علم لدنی کی بنیاد ہے، جس سے اس علم کا اثبات ہوتا ہے، اور اس علم لدنی کو علم حقیقت یا علم باطن بھی کہتے ہیں، جیسا کہ تفسیر القاسمی میں ہے:

دل قـولـه تـعـالى ﴿ وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴾ على أن من العلم علماً غيبيًا وهو المسمّى بالعلم اللد نى فالآية أصل فيه(۷)

''اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ ہم نے ان کو اپنے پاس سے ایک خاص طور کا علم سکھلایا تھا، اس میں علم سے مراد علم غیبی ہے، جسے علم لدنی بھی کہا جاتا ہے، آیت اس علم کے بارے میں اصل ہے''

آیت مذکورہ کو بنیاد بنا کر بعض جاہل، غلط کار، تصوف کو بدنام کرنے والے صوفیاء نے یہ اخذ کیا ہے کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور ہے۔ بہت سی چیزیں شریعت میں حرام ہوتی ہیں مگر طریقت میں جائز ہیں، اس لیے کسی ولی کو صریح گناہ کبیرہ میں مبتلا دیکھ کر بھی اس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا، یہ کھلا ہوا زندقہ اور باطل ہے، جیسا کہ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

وزعـم بـعضهم أن أحكام العلم الباطن وعلم الحقيقة مخالفة لأحكام الظاهر وعلم الشريعة ،وهو زعم باطل، عاطل وخيال فاسد كاسد(۸)

''اور بعض لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ علم باطنی اور علم حقیقی کے احکام علم ظاہری اور علم شریعت کے خلاف ہے، یہ ایک باطل اور غلط گمان، اور ایک فاسد وگھٹیا سوچ ہے۔''

اور بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہا ہوا ہے کہ علم باطن علم شریعت سے افضل ہے، اس کا جواب دیتے ہوئے مولنا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

''اس قصہ سے بعض کو دھوکہ ہوگیا ہے کہ علم باطن علم شریعت سے افضل ہے، جواب اس کا یہ ہے کہ علم باطن کے دو شعبے ہیں: مرضیات الٰہی جو متعلق بالنفس ہیں، اور علم اسرار کونیہ، سو پہلا تو شریعت کا ایک جزء ہے اور جزء کبھی کل سے افضل نہیں ہوسکتا اور دوسرا چونکہ قرب الٰہی میں کچھ دخل نہیں رکھتا، اس لیے افضلیت کا احتمال ہی نہیں''(۹)

مولنا عبدالدائم جلالی رام پوری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''علم لدنی سے مراد وہ علم ہے جو تعلیم و تعلّم اور فرشتہ و وحی کی وساطت کے بغیر براہ راست خدا تعالیٰ کی طرف سے دل میں القا ہوا ہو، غیب کے پردے آنکھوں کے سامنے سے اٹھ گئے ہوں، نتائج وانجام کا نظر سے مشاہدہ ہو... تمام انبیاءؑ کو حسب تفاوت درجہ کائنات کا مشہودی علم ہوتا ہے، لیکن انبیاء کی اصل غرض اصلاح

خلق ہوتی ہے، ان کے آئینہ باطن پر اگر چہ انوار و معارف کی عکس ریزی ہوتی ہے، لیکن ہر وقت مطالعہ علوم میں غرق رہنا ان کے مقاصد کے منافی ہوتا ہے، اس لئے ہمہ وقت وہ مشاہدہ کائنات میں مستغرق نہیں رہتے، ہاں بعض وقت جبکہ اصلاح و ہدایت اور ارشاد و وعظ کے جھگڑوں سے دماغ کو صاف کر کے عالم قدس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، یا اضطراری طور پر توجہ ہو جاتی ہے، تو عالم غیب کی تصویریں سامنے آجاتی ہیں، اور صدہا سال کے بعد آنے والے واقعات بروزی طور پر ان کے نظروں کے سامنے آجاتے ہیں اور وہ پیشن گوئیاں کرتے، پوشیدہ سے پوشیدہ خبریں بتاتے اور جہاں کونیہ سے متعلق بات کرتے ہیں، حضرت خضر علیہ السلام پر بھی ملکیت و روحانیت غالب تھی، حسی و خیالی قوتیں کمزور پڑ گئی تھیں، علائق نفس کم ہو گئے تھے، انوار الٰہی کا ہر وقت فیضان تھا ،لمعات قدس پر تو افگن تھے اور چونکہ ان کی غرض اصلاح خلق و ہدایت امت نہ تھی، اس لیے وہ انتہائی روحانیت کے سبب رجال الغیب میں داخل ہو کر گویا ملائکہ میں شامل ہو گئے تھے، اور جتنا حکم خداوندی ہوتا، اتنا کام بادراک روحانی انجام دیتے تھے، اسی لئے خصر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ تم کو جو علم دیا ہے وہ مجھے نہیں دیا، اور جو حصہ معارف مجھے عطا ہوا ہے وہ تم کو نہیں ملا، امت محمدیہ ؐ میں بھی ہر زمانہ میں ابدال ،اقطاب ،اوتاد، اور ایسے رجال الغیب موجود رہتے ہیں، جن کی روحوں پر بتفاوت درجہ فیضان قدسی ہوتا رہتا ہے، بیسوں صحابہؓ کے واقعات کرامت اور دور صحابہؓ کے بعد ہزاروں اولیاء کے تصرفات باطن کے تذکرے پیش پا افتادہ حقیقت ہیں، جو کسی طرح قابل انکار نہیں، لیکن یاد رہے کہ جاہل صوفیوں کا شریعت و طریقت میں تفرقہ کرنا دائرہ شریعت سے اپنے کو خارج سمجھنا، اوامر و نواہی اور فرائض الہیہ کا اپنے کو مکلف قرار نہ دینا، سراسر جہالت و بے دینی ہے، یہی شریعت ہے جو معراج روحانیت ہے، اس کی پابندی کے بغیر نہ کسی ولی اور قطب کو کچھ ملا، نہ کوئی نبیؑ ان قیود سے آزاد تھا۔ عالم غیب کا کوئی مختار نہیں، اللہ کے نیک بندے منہیات کے مرتکب نہیں ہوتے، ان کی قیود تو اور بھی سخت ہوتی ہیں، جن سختیوں کے وہ مکلف ہوتے ہیں، عوام ان سے قطعاً آزاد ہوتے ہیں، وہ ہر وقت ملاحظہ اقدس اور مشاہدہ حق پر مکلّف ہوتے ہیں، عوام کا استغراق نماز کے اندر چند منٹ کے لیے ہوتا ہے، مگر ان کا انہماک ہر آن ہوتا ہے، ایسے مقدس لوگ بھلا شریعت غراء کی مخالفت کس طرح کر سکتے ہیں اور کس طرح حضور اقدسؐ کے بتائے ہوئے راستہ سے قدم باہر رکھ سکتے ہیں۔ قیود شریعت سے آزاد سمجھنا قطعاً فریب نفس اور جہالت ہے۔ حرام حرام ہے اور حلال حلال، شارع کے بتائے ہوئے حرام و حلال کو کوئی بدل نہیں سکتا"(۱۰)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت جبریلؑ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان، اسلام اور احسان کے

متعلق سوال کرنے والی مشہور حدیث (۱۱) کی تشریح بیان کرتے ہوئے شریعت، طریقت اور معرفت کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں:

''ایمان، اسلام اور احسان کی حقیقت کو یوں سمجھے، کہ انسان کی ایک روح ہے اور ایک جسم، روح کے بغیر جسم بالکل معطل و بے کار ہے اور روح بھی بغیر جسم کے بہت سے افعال نہیں کر سکتی، روح ایک باطنی چیز ہے اس کا ظہور جسم کے اعضاء ہی پر ہوتا ہے، جسم و روح کے بعد تیسری چیز ان حرکات میں مشق و باقاعدگی جدوجہد ہے، جو جسم و روح کے امتزاج سے اعضاء میں پیدا ہوتی ہیں، سنۃ اللہ یوں ہی جاری ہے، کہ جس قوت کو باقاعدہ اور صحیح قواعد کے موافق استعمال کیا جائے اور اس کی مناسب مشق رکھی جائے، تو اس قوت میں ترقی ہوتی رہتی ہے، جیسا کہ پہلوان لوگ، ان میں یہ زبردست طاقت وقوت کہاں سے آتی ہے، آسمان سے بارش کی طرح تو ان پر نہیں گرتی، بلکہ مشاہدہ ہے کہ قواعد صحیحہ کے موافق جب ایک شخص ورزش کرتا اور ہر ہر عضو کو حرکت دینے میں کثرت کرتا ہے، تو اس سے ہر عضو کی قوت ترقی کرتی جاتی ہے اور آہستہ آہستہ نوبت آجاتی ہے کہ پہلوان بن جاتا ہے، اور اگر مدت دراز تک کوئی شخص اپنے اعضاء کو حرکت نہ دے مثلاً: چوبیس گھنٹے چارپائی پر لیٹا رہے، پاؤں کو بالکل حرکت نہ دے، تو بجائے پہلوان بننے کے قدرت کی دی ہوی قوت کو کھو کر اپاہج بن جائے گا۔ قوائے جسمانیہ وظاہریہ میں جس طرح یہ چیز مشاہدہ میں آتی ہے، بعینہ یہی حال قوائے روحانیہ کا ہے، بلکہ اس میں تو بطریق اولی ہے، کیونکہ قوائے روحانیہ ہی تو دراصل قوتیں ہیں، ان میں مشق سے جو خصوصی استعداد حاصل ہوتی ہے، اسی کا نام احسان ہے، جیسا کہ جسمانی قوتوں میں ترقی کا نام پہلوانی ہے۔ خلاصہ یہ کہ اصل چیز تو ایمان ہے اور وہ جذر قلوب میں ہوتا ہے، جب وہ ایمان ترقی کرتا ہے اور جوش مارتا ہے تو جوارح پر اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے، پھر اس ایمان و اسلام دونوں میں انبیاءؑ کی ہدایت کے مطابق مزاولت کرتا ہے، اس باقاعدگی اور مزاولت سے جو قوت حاصل ہوتی ہے اسی کو احسان کہا جاتا ہے، اور انبیا علیہم السلام اس فن کے بڑے اساتذہ ہیں، تو ایمان ترقی کر کے اسلام ہو جاتا ہے اور وہی اسلام ترقی کر کے احسان بنتا ہے، پھر احسان میں بے شمار مراتب و مدارج ہیں، ایک درجہ انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے، ایک درجہ صحابہ ؓ کو حاصل تھا، اولیاء و صلحا کو علی حسب المراتب والاستعداد درجات حاصل ہوتے ہیں۔

اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ جاہل متصوف جو کہتے ہیں کہ طریقت شریعت کے علاوہ اور کوئی چیز ہے یہ بالکل غلط ہے، یہ لوگ جہل کی وجہ سے دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں، شریعت جو ایمان و اسلام کا مجموعہ ہے، اسی کی

با قاعدہ اور متواتر مزاولت و مشق سے احسان حاصل ہوتا ہے، یہی طریقت ہے۔ پھر اس پر دنیا میں کچھ ثمرات باطنیہ ملتے ہیں، اسی کو معرفت و عرفان سے تعبیر کیا جاتا ہے''۔ (۱۲)

حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:

شریعت راسہ جزء است علم و عمل و اخلاص، تا این ہر سہ جزو متحقق نشوند شریعت متحقق نشود، و چون شریعت متحقق شد رضائے حق سبحانہ و تعالی حاصل گشت کہ فوق جمیع سعادات دنیویہ و اخرویہ است، پس شریعت متکفل جمیع سعادات دنیویہ و اخرویہ آمد و مطلبی نماند کہ بماورائے شریعت در آن مطلب احتیاج افتد، طریقت و حقیقت کہ صوفیہ بآن ممتاز گشتہ اند، ہر دو خادم شریعت اند در تکمیل جزو ثالث کہ اخلاص است، پس مقصود از تحصیل آن ہر دو تکمیل شریعت است نہ امر دیگر۔ (۱۳)

''شریعت کے تین جزو ہیں، علم و عمل و اخلاص، جب تک یہ تینوں جزو متحقق نہ ہوں شریعت متحقق نہیں ہوتی، اور جب شریعت حاصل ہوگئی تو گویا حق تعالی کی رضا مندی حاصل ہوگئی، جو دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں سے بڑھ کر ہے، پس شریعت دنیا اور آخرت کی تمام سعادتوں کا ضامن ہے اور کوئی ایسا مطلب باقی نہیں جس کے حاصل کرنے کے لیے شریعت کے سوا اور کسی چیز کی طرف حاجت پڑے، طریقت اور حقیقت جن سے صوفیاء ممتاز ہیں، تیسری جزو یعنی اخلاص کے کامل کرنے میں شریعت کی خادم ہیں، پس ان دونوں کی تکمیل سے مقصود شریعت کی تکمیل ہے نہ کہ کسی اور چیز سے۔

ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

باطن متمم ظاہر است و مکمل آن سر موی با یک دیگر مخالفت ندارد، مثلاً دروغ بزبان ناگفتن شریعت است واز دل نفی خاطر کذب نمودن طریقت و حقیقت است، اگر این نفی بہ تکلف و تعمل است، طریقت او راست واگر بے تکلف میسر است، حقیقت، پس فی الحقیقت باطن کہ طریقت و حقیقت است متمم و مکمل ظاہر آمد کہ شریعت است۔ (۱۴)

''باطن ظاہر کو پورا کرنے والا ہے، اور بال بھر بھی ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتے، مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل سے جھوٹ کا خطرہ دور کرنا طریقت اور حقیقت ہے، یعنی اگر یہ نفی تکلیف اور بناوٹ سے ہے تو طریقت ہے، اور اگر تکلف کے بغیر حاصل ہے تو حقیقت ہے، پس حقیقت میں باطن جس چیز کو طریقت اور حقیقت کہتے ہیں، ظاہر کو جو شریعت ہے پورا اور کامل کرنے والا ہے''

مولانا اشرف علی تھانویؒ شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کی تعریف اور باہمی تعلق کے بارے میں لکھتے ہیں:

''شریعت احکام تکلیفیہ کے مجموعے کا نام ہے، اس میں اعمال ظاہری اور باطنی سب آ گئے اور متقدمین کی اصطلاح میں لفظ فقہ کو اس امر کا مرادف (یعنی ہم معنی) سمجھا جاتا ہے، جیسے امام اعظمؒ ابوحنیفہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے معرفۃُ النفسِ مَالَھا وَمَاعَلیھَا (یعنی نفس کے نفع اور نقصان کی چیزوں کو پہچاننا) پھر متاخرین کی اصطلاح میں شریعت جزو متعلق باعمال ظاہرہ کا نام ''فقہ'' ہو گیا اور دوسرے جزو متعلق باعمال باطنہ کا نام ''تصوف'' ہو گیا اور ان اعمال باطنی کے طریقوں کو ''طریقت'' کہتے ہیں۔ پھر ان اعمال کی درستی سے قلب میں جو جلاء اور صفا پیدا ہوتا ہے اس سے قلب پر بعض حقائق کونیہ متعلقہ اعیان واعراض (حقائق ولوازمات) بالخصوص اعمال حسنہ وسیئہ، حقائق الٰہیہ صفاتیہ وفعلیہ بالخصوص معاملات بین اللہ اور بین العبد (یعنی جو معاملات اللہ اور بندے کے درمیان ہیں وہ) منکشف ہوتے ہیں ان مکشوفات کو ''حقیقت'' کہتے ہیں اور اس انکشاف کو ''معرفت'' کہتے ہیں اور اس صاحب انکشاف کو ''محقق'' اور عارف کہتے ہیں۔ پس یہ سب امور متعلق شریعت کے ہی ہیں اور عوام میں جو یہ شائع ہو گیا ہے کہ شریعت صرف جزو متعلق باحکام ظاہرہ کو کہتے ہیں، یہ اصطلاح کسی اہل علم سے منقول نہیں اور عوام کے اعتبار سے اس کا منشاء بھی صحیح نہیں کہ وہ ظاہر اور باطن میں اعتقاد تنافی (یعنی ظاہر اور باطن میں اختلاف کا قائل ہونا) ہے۔''(۱۵)

مولانا شاہ محمد مسیح اللہ لکھتے ہیں:

''شریعت کا وہ جز جو اعمال باطنی سے متعلق ہے تصوف وسلوک اور وہ جز جو اعمال ظاہری سے متعلق ہے، فقہ کہلاتا ہے۔ اس کا موضوع تہذیب اخلاق اور غرض رضائے الٰہی ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور سے چلنا ہے۔ گویا کہ تصوف دین کی روح ومعنیٰ یا کیف وکمال کا نام ہے، جس کا کام باطن کو رذائل اخلاق ذمیمہ شہوت، آفات لسانی، غضب، حقد، حسد، حب دنیا، حُب جاہ، بخل، حرص، ریا، عجب، غرور سے پاک کرنا اور فضائل یعنی اخلاق حمیدہ، توبہ، صبر، شکر، خوف، رجا، زہد، توحید وتوکل، محبت، شوق، اخلاص، صدق، مراقبہ، محاسبہ وتفکر سے آراستہ کرنا ہے، تاکہ توجہ الی اللہ پیدا ہو جائے، جو مقصود حیات ہے، اس لئے تصوف وطریقت، دین وشریعت کے قطعاً منافی نہیں، بلکہ ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ وہ صوفی بنے کہ اس کے بغیر فی الواقع ہر مسلمان پورا مسلمان کہلانے کا مستحق ہی نہیں رہتا''۔(۱۶)

اس سلسلے میں انہوں نے مولانا اشرف علی تھانویؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''تصوف کے اصول صحیحہ قرآن اور حدیث میں سب موجود ہیں اور یہ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف قرآن اور حدیث میں نہیں ہے، بالکل غلط ہے۔ یعنی غالی صوفیہ کا بھی یہی خیال ہے اور خشک علماء کا بھی، کہ تصوف سے قرآن وحدیث خالی ہیں، مگر دونوں غلط سمجھے، خشک علماء تو یہ کہتے ہیں کہ تصوف کوئی چیز نہیں، یہ سب واہیات ہیں، بس نماز روزہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اسی کو کرنا چاہئے۔ یہ صوفیوں نے کہاں کا جھگڑا نکالا ہے، تو گویا ان کے نزدیک قرآن وحدیث تصوف سے خالی ہیں اور غالی صوفی یہ کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں تو ظاہری احکام ہیں، تصوف علم باطن ہے، ان کے نزدیک نعوذ باللہ قرآن وحدیث ہی کی ضرورت نہیں۔ غرض دونوں فرقے قرآن وحدیث کو تصوف سے خالی سمجھتے ہیں، پھر اپنے اپنے خیال کے مطابق ایک نے تو تصوف کو چھوڑ دیا اور ایک نے قرآن وحدیث کو''۔ (۱۷)

مفتی محمد عاشق الٰہی لکھتے ہیں:

''بہت سے جاہل صوفی یہ بھی سمجھتے ہیں کہ طریقت شریعت کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے اور صاحب طریقت کے لیے شریعت پر چلنا لازم نہیں، یہ بھی گمراہی اور کفر کی بات ہے، طریقت شریعت کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے، وہ تو شریعت کا خادم ہے۔ نفس کو احکام شریعت پر ڈالنے اور بشاشت کے ساتھ احکام شریعت کو ادا کرنے کی محنت کے لیے حضرات صوفیا کرام نے کچھ اعمال واشغال بتائے ہیں، مریدوں سے ان کی محنت کراتے ہیں، کوئی کتنا ہی بڑا درویش اور صاحب تصوف ہو، احکام شرعیہ کی پابندی اس پر بھی فرض وواجب ہے۔ جو شخص فرائض وواجبات کا تارک ہوگا وہ فاسق ہوگا اور جو شخص یوں کہے کہ میں یا میرا شیخ شریعت کا مکلّف نہیں وہ کافر ہوگا، کافر اور فاسق کسی طرح بھی پیر بنانے کا اہل نہیں ہوتا، جو شخص یہ دعوٰی کرتا ہے کہ جو طریقے انبیاء کرام علیہم السلام سے آئے ہیں ان کے علاوہ بھی کوئی ایسا طریقہ ہے، جس کے ذریعہ وہ مامورات اور منہیات کو پہچان لیتا ہے، اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی حاجت نہیں، ایسا شخص کافر ہے، اسے قتل کر دیا جائے اور یہ بھی نہ کہا جائے گا کہ توبہ کرلے تو تیرے قتل سے درگذر کر دیں گے''۔ (۱۸)

مفتی رشید احمد لدھیانوی مرحوم ایک سوال کے جواب میں تحریر کرتے ہیں:

احکام شریعت کی دو قسمیں ہیں: ۱۔ ظاہر سے متعلق ۲۔ باطن سے متعلق۔ اعمال باطنہ کا وجود قرآن وحدیث سے ثابت ہے اور ہر شخص کا وجدان بھی اس کی شہادت دیتا ہے، علاوہ ازیں مسلمات عقلیہ اور متفق علیہ

حقائق میں سے ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ (۱۹) اس کے علاوہ حسد، کبر ریا ،حُب مال،حب جاہ وغیرہ رذائل اور ان کی متقابلات صفات محمودہ، اخلاق رذیلہ سے تخلیہ اور اخلاق حمیدہ سے تحلیہ کا حکم، اول کے علاج اور دوم کی تحصیل کے طرق قرآن وحدیث میں بار بار بہت کثرت سے مذکور ہیں، بس ان اعمال باطنہ یعنی رذائل کے امالہ اور اخلاق حمیدہ کی تحصیل سے متعلق علم کا نام تصوف ہے۔عقلی لحاظ سے دیکھا جائے تو بھی تصوف کی ضرورت بدیہی ہے، بایں طور کہ جب امراض باطنہ نصوص شرعیہ سے ثابت ہیں اور مشاہد ہیں ،تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح اور علاج کے طریقے بھی ضرور بیان فرمائے ہوں گے، ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت ہوگی کہ اخلاق رذیلہ پیدا تو فرمادئے ،مگر ان کا علاج نہیں بتایا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے فقہ کی تعریف یوں منقول ہے: الفقہ معرفة النفس مالها وما عليها یہ تعریف تصوف کو بھی شامل ہے بلکہ اعمال باطنہ چونکہ زیادہ اہم ہیں،حتی کہ اعمال ظاہرہ کا وجود وعدم اور ان کا اعتبار اعمال باطنہ ہی پر موقوف ہے،اس لئے تعریف مذکور کے مطابق فقہ کا اہم شعبہ تصوف ہوا،فقہ کا اعمال ظاہرہ سے تعلق رکھنے والا شعبہ ثانوی درجہ رکھتا ہے،علم باطن کی اہمیت کے پیش نظر فقہ کے اس شعبہ کا مستقل نام ''تصوف'' رکھ دیا گیا۔(۲۰)

وہ مزید لکھتے ہیں:

شریعت احکام ظاہرہ وباطنہ کا مجموعہ ہے اور طریقت صرف احکام باطنہ کو کہا جاتا ہے،اس لئے طریقت شریعت سے الگ کوئی چیز نہیں، بلکہ شریعت ہی کا ایک شعبہ ہے۔شریعت کے تمام احکام ظاہرہ وباطنہ کے کامل اتباع کی بدولت بعض حقائق تکوینیہ وتشریعیہ کا انکشاف ہوتا ہے، یہ حقیقت ہے۔شریعت کے اتباع اور علوم کے انکشافات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ومحبت میں اضافہ ہوتا ہے،اسے معرفت کہتے ہیں۔(۲۱)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

''جو صوفی شریعت اور طریقت میں فرق کرے وہ صوفی نہیں ہے، بلکہ فرقہ باطنیہ سے تعلق رکھتا ہے''۔(۲۲)

خلاصہ یہ کہ مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں ان لوگوں کی غلطی واضح ہوجاتی ہے جو شریعت وطریقت کو مختلف طریقے سمجھتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ طریقت کے مطابق باطن کو درست کر لینا کافی ہے، گو شریعت کے خلاف کرتے ہیں، یہ کھلی گمراہی ہے۔اس لئے کوئی درویشی اور سلوک وطریقت مجاہدات وریاضات اور کشف

والہام اس وقت تک اللہ کے نزدیک فضیلت اور نجات کی چیز نہیں، جب تک کہ شریعت کی پوری پابندی نہ ہو۔

حوالہ جات

۱۔ سورۃ الکہف، ۱۸: ۶۵

۲۔ ابن عباس، عبداللہ، تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، تہران، انتشارات استقلال، (س،ن) ص، ۱۸۶، ۔محمد بن علی بن محمد، شوکانی، تفسیر فتح القدیر، عالم الکتب، ۳: ۲۹۹

۳۔ جلالی، عبدالدائم، رام پوری، تفسیر بیان السبحان، بحوالہ ماہنامہ ''مولوی'' دھلی، فروری ۱۹۴۶ء، ص ۳۱۔

۴۔ البنا، احمد عبدالرحمن، الفتح الربانی لترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی، بیروت ، داراحیاء التراث العربی، کتاب احادیث الانبیاء، ابواب ذکر نبی اللہ موسیٰ بن عمران، ۲۰: ۱۰۰

۵۔ امام صاوی، شیخ احمد بن احمد المالکی، حاشیۃ الصاوی علی الجلالین، مصر، عبدالحمید احمد حنفی، ۱۳۵۸ھ، ۲: ۲۱

۶۔ آلوسی، شہاب الدین سید محمود البغدادی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، بیروت، احیاء التراث العربی، ۱۴۰۵ھ، ۱۵: ۳۳۱، ۳۳۲۔

۷۔ قاسمی، محمد جمال الدین، تفسیر محاسن التاویل، بیروت، دارالفکر، ۱۹۷۸ء، ۷: ۸۔

۸۔ آلوسی، روح المعانی، ۱۵: ۳۳۰۔

۹۔ تھانوی، مولانا اشرف علی، تفسیر مکمل بیان القرآن، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ۶: ۱۳۲۔

۱۰۔ جلالی، عبدالدائم، بیان السبحان، بحوالہ ماہنامہ ''مولوی'' دہلی، ص ۳۱، فروری ۱۹۴۶ء

۱۱۔ بخاری، کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الایمان والاسلام والاحسان وعلم الساعۃ ..حدیث ۵۰۔

۱۲۔ شبیر احمد عثمانی، فضل الباری (شرح اردو) صحیح بخاری، کراچی ادارہ علوم شرعیہ، ۱۹۷۳ء، اول بار کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۱: ۵۳۰، ۵۳۱۔

۱۳۔ مجدد الف ثانی، منتخبات، مکتوبات امام ربانی، استنبول (ترکی) مکتبہ ایشیق، ۱۹۸۱ دفتر اول، ص ۱۳، ۱۴

۱۴۔ ایضاً، دفتر اول، مکتوب، ۴۱، ص ۱۷

۱۵۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ، شریعت وطریقت، (مرتبہ مولانا محمد دین چشتی) لاہور، ادارہ اسلامیات، ۱۹۸۱ء، ص ۳۴۔

۱۶۔ محمد مسیح اللہ، شریعت و تصوف، ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ۱۹۹۶ء، ۱۷، ۱۸۔

۱۷۔ ایضاً ص ۱۸، ۱۹

۱۸۔ بلند شہری، مفتی محمد عاشق الٰہی، انوار البیان فی کشف اسرار القرآن، ملتان، ادارہ تالیفات اشرفیہ ۱۹۹۴ء، ۵: ۵۱۷.

۱۹۔ الانعام، ۶: ۱۲۰

۲۰۔ لدھیانوی، مفتی رشید احمد، احسن الفتاویٰ، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۴۱۷ھ، ۱: ۵۴۶۔

۲۱۔ ایضاً ص، ۵۴۹، ۵۵۰۔

۲۲۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی، اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش، لاہور، انجمن خدام القرآن، ۱۹۸۳ء، ص ۴۴